جہانِ نو کی تسخیر کا نسخۂ کیمیا

''اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے''

ڈاکٹر محمد نظام الدین
Mob: 9718048854

اقبال رقصِ حیات اور جشنِ کائنات کے نغمہ خواں ہیں۔ وہ شاعری اور دانشوری کی آبرو ہی نہیں بلکہ بنی نوع انسان کے لیے باعث افتخار بھی ہیں۔ ان کی دور رسی اور دور بینی کا کوئی ثانی نہیں۔ اقبال تسخیرِ کائنات کے راز داں ہیں اور انقلابی فکر کے پیامبر بھی۔ وہ انسانیت کی اعلی قدروں کے نقیب ہیں، ساتھ ہی جہانِ نو کے معمار بھی۔ ہماری عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے فکر مند ہیں اور قوم و نسل کے تابناک مستقبل کے آرزومند بھی۔

''اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے''

اس مصرع کا مرکزی خیال جہد مسلسل، عمل پیہم اور سخت کوشی ہے۔ اس مصرع میں خود مکتفی کی دعوت اور چاہ کنی و آب نوشی کی تلقین بھی ہے۔ خوابیدہ قوم کو بیدار کرنے اور کچھ کر گزرنے کے جذبہ کے ساتھ اس مصرع میں اپنی دنیا آپ بسانے کی ترغیب ہے۔ ژولیدگی اور مایوسی سے ماورا صاحب کمال بننے کی نصیحت بھی ہے۔ اس مصرع میں زندہ قوموں کی کامیابی کا راز اور ان کے امید افزا مستقبل کا مژدہ موجود ہے۔

'خضر راہ' اقبال کی ایک مشہور اور بہترین نظم ہے۔ اقبال کی دیگر نظموں جیسے ساقی نامہ، مسجد قرطبہ، ذوق و شوق، شکوہ اور جواب شکوہ کی طرح 'خضر راہ' بھی ایک معنی خیز اور سبق آموز نظم

ہے۔ یہ نظم اقبال کا پہلا اردو شعری مجموعہ ''بانگ درا'' میں شامل ہے۔ ''بانگ درا'' ربع صدی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ جسے افہام وتفہیم کے لیے تین حصوں میں تقسیم گیا ہے۔ پہلے حصے میں وہ نظمیں شامل ہیں جو 1905 تک لکھی گئیں۔ اس میں بچوں کے لیے خوبصورت نظمیں اور حب الوطنی کے حوالے سے مشہور 'ترانۂ ہندی' موجود ہے۔ دوسرے حصے میں 1905 سے 1908 کے درمیان لکھی گئی نظمیں شامل ہیں۔ تیسرے حصے میں اقبال نے مسلمانوں کو اپنے عظیم ماضی کی یاد دلائی ہے اور نفرتوں کی تمام سرحدوں سے بالاتر ہوکر ان سے اخوت و بھائی چارے کا مطالبہ کیا ہے۔ مشہور نظمیں شکوہ، جوابِ شکوہ، خضر راہ اور طلوعِ اسلام اسی حصے میں شامل ہیں۔ جو فکر انگیز اور ولولہ خیز خیال پر مبنی ہیں۔

''خضر راہ'' 85 اشعار پر مشتمل ایک آفاقی نظم ہے۔ اور چھ حصوں کی ایک مربوط کڑی ہے اور ان حصوں میں باہمی ربط پیدا کرنے کے لیے ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں اور انہیں ایک مرکزی خیال سے مربوط کیا گیا ہے۔ جیسے شاعر، جواب خضر، صحرا نوری، زندگی، سلطنت، سرمایہ ومحنت اور دنیائے اسلام۔ جو دوسری طویل نظموں میں کم یاب ہے۔

''زندگی'' خضرِ راہ کا چوتھا بند ہے۔ اور اسی بند میں ''اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے'' مصرع اپنی تمام تر شان وشوکت اور بلند پروازی کے ساتھ موجود ہے۔ یہ مصرع اقبال کے دل ودماغ سے اس وقت نکلا تھا جب نہ صرف عالم اسلام بلکہ تمام ایشیائی اقوام کے لیے نازک ترین اور پر آشوب دور تھا۔ مغربی قوتیں اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی بنیاد پر امنِ عالم کے لیے ایک چیلنج بن چکی تھیں۔ آج کے دور میں اس مصرع کی معنویت اس وجہ سے بڑھ جاتی ہے کہ پوری مغربی دنیا کی شاطرانہ نگاہیں مشرق وسطیٰ پر مرکوز ہیں۔ اور اپنے مفاد کی خاطر آپسی خانہ جنگی کے لیے سازشیں رچ رہی ہیں۔ مسلم قوم اور مشرق وسطیٰ کی بدترین صورتحال اقبال کے دور میں بھی تھی اور آج بھی مسلم قوم اور مشرق وسطیٰ کے حالات سنگین ہیں۔ آخر برق بے چارے مسلم قوم پر ہی کیوں گرتی ہے؟۔ یہ سوال کل بھی اقبال کے ذہن کو جھنجھوڑ رہا تھا اور آج بھی ہمارے دانشوروں کو سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔

پورا بند اس طرح ہے:

برتر از اندیشۂ سود وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہردم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِآدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ وسنگِ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم
آب اورآزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تو
پختہ ہوجائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

آگے اقبال کہتے ہیں:

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین وآسمانِ مستعار

اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
خاک مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاب
تابدخشاں پھر وہی لعلِ گراں پیدا کرے
سوئے گردوں نالۂ شب گیر کا بھیجے سفیر
رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اقبال کے نزدیک زندگی ایک مسلسل حرکت کا نام ہے۔ جو نئی خواہشات کو جنم دیتی ہے۔ اور ان خواہشات کی تکمیل کے لیے انسان کو اکساتی ہے۔ زندگی پیہم عمل ہے اور کش مکش سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ اس لیے اقبال انسانوں کو عمل اور جہد مسلسل کا پیغام دیتے ہیں۔ اور وہ سکوت کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اقبال انسانی زندگی کو موہوم نہیں بلکہ موجود سمجھتے ہیں۔ کائنات وہمی نہیں بلکہ وجودی شئے ہے۔ ارتقا کا عمل مسلسل جاری ہے۔ یہی مسلسل حرکت اور پیہم جستجو وہ چیز ہے جو انسان کو باقی کائنات سے ممتاز کرتی ہے۔ اقبال خوب سے خوب تر کی جستجو میں ہر لحہ نئی خواہشات اور نئی دنیا آباد کرنے کے قائل ہیں۔ وہ زندگی کو عمل کا مظہر دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ حوادث سے بے خبر ہو کر فطرت کی تسخیر کو انسانی عظمت کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نئی نسل اور نوجوان ہی کسی بھی قوم کے جوہر اور بیش بہا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر نئی نسل اور نوجوانوں میں دلیری، استقلال اور عزم مصمم ہو تو وہ کسی بھی پہاڑ اور چٹان سے ٹکرانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ملک کی ترقی، خوشحالی اور تابناکی کا انحصار انہیں پر ہوتا ہے۔ اقبال نے جہاں ایک طرف خودی اور مرد کامل کو اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے تو وہیں دوسری طرف اپنے کلام میں امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز نئی نسل اور نوجوانوں کو بھی قرار دیا ہے۔

''اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے''

اس مصرع سے اندازہ ہوتا ہے کہ نئی نسل اور نوجوان ہی اقبال کے اصل مخاطب ہیں۔ یوں تو ان کی پوری شاعری ایک خاص مقصد اور پیغام سے لبریز ہے۔لیکن اقبال نے جن نظموں میں خاص طور پر نئی نسل اور نوجوانوں کو خطاب کیا ہے۔ان میں ''خطاب بہ جوانانِ اسلام، ایک نوجوان کے نام، جاوید کے نام، جاوید سے، عبدالقادر کے نام، صدائے غیب، بزم انجمن، شاہین، ذوق وشوق، پیام مشرق، مسجد قرطبہ، ساقی نامہ، نصیحت، دعاء، زمانہ، نوید صبح اور سلطان ٹیپو کی وصیت'' وغیرہ اہم ہیں۔

اس خیال کی دوسری تعبیر میں اقبال اپنے صاحبزادے جاوید کے وسیلے سے یہ پیغام دیتے ہیں:

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح وشام پیدا کر

اقبال کے کلام میں جگہ جگہ عمل کی تلقین ملتی ہے۔وہ کہتے ہیں مقاصد کتنے ہی بلند کیوں نہ ہو عمل کے بغیر بے معنی ہوتے ہیں۔انسان کی شخصیت عمل ہی کے ذریعہ بنتی ہے۔نیکی کوئی خودساختہ شی نہیں ہے بلکہ عمل سے جنم لیتی ہے۔اسی طرح زندگی کی تشکیل اور شخصیت کی تعمیر میں عشق وعمل کے ساتھ غیرت اور خودی بھی اہم عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اقبال نے انہی صفات کو حیات وکائنات کا اصل جوہر قرار دیا ہے۔

اقبال کی شاعری میں یہ خیال بہت ہی فکرانگیز ہے، بلکہ اساسی نکتہ جوان کی فکر کی ترجمانی کی ایک بڑی علامت کے طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے، اس خیال کو اقبال نے جگہ جگہ اپنے اشعار میں پوری توانائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔مذکورہ مصرع میں اقبال نے اسی خیال کو پیش کیا ہے۔جو اپنی دنیا خود تعمیر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ایک جگہ اقبال نے مانگی ہوئی جنت کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کیا ہے۔جسے انہوں نے بڑی قوت ارادی کے ساتھ بیان کیا ہے۔یہی خیال

کم وبیش کے ساتھ بال جبریل کی غزل کے مشہور شعر میں بھی پیش کیا ہے۔

''کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر''

بالِ جبریل کی غزل اس اساسی خیال کا تکرار بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔''تیرا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد'' گویا اس خیال کی فکر انگیزی سے اقبال کا کلام بھرا پڑا ہے۔جس کو کہیں انہوں نے 'راز کن فکاں' کہا ہے اور کہیں 'کل یوم فی شان' کہہ کر اپنی فکر کو علامتوں کے پردے میں پیش کیا اور کہیں یہ کہا کہ اگر زمانہ تمہارا ساتھ نہ دے تو زمانے کو بدل کر رکھ دو یا گردش آسماں اگر سازگار نہ ہو تو اس سے بے نیاز ہو جاؤ اور نظامِ فلکی کو بدل دو۔یہی نہیں اس عشق کی انقلابی روح ان کی تمام تر شاعری میں بکھری پڑی ہے۔ پیام مشرق میں مشہور انقلابی نظموں میں وہ بیداری کو تعمیر کے لیے منسوب کرتے ہیں۔ یہ دونوں فقرے جو اس نظم میں وارد ہوئے ہیں ۔''معمارِ جہاں خیز'' یا ''تعمیر جہاں خیز'' اسی موضوع کی تفسیریں ہیں۔ جو اقبال کی فکر کا بنیادی عنصر ہے۔ان کی اس احتجاجی آواز میں جو سب سے بڑا طوفان خیز پیغام ہے وہ اس دنیا کو تہس نہس کر دو ہے۔کیونکہ یہ مانگی ہوئی دنیا ہے جو ہمارے لیے قطعی طور پر ناسزاوار ہے۔اقبال کہتے ہیں:

پھونک ڈالے یہ زمین وآسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنی جہاں پیدا کرے

زیر بحث مصرع کی آخری منزل یہ مذکورہ شعر ہے۔دوسرے لفظوں میں جس کو ہم اپنے خون جگر سے نہ حاصل کریں وہ ہمارے لیے حرام ہے۔مرد مومن اور شاہینی صفات میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلماں کو ننگ و پاد شاہی

اور

'شکار مردہ سزاوار شاہباز نہیں'

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خیال جو 1922/23ء میں 'خضرراہ' میں قلمبند کیا گیا ہے، ان کی فکر کی انمول احساس ہے اور پیغام بھی۔ اسے دوسرے زاویے سے بھی دیکھنا مناسب ہوگا کہ اس نظم کی تخلیق کا سبب انقلابِ روس ہے اور اقبال کو آفریں ہو کہ وہ پہلے ہندوستانی شاعر یا مفکر ہیں جنہوں نے انقلابِ روس (1917) سے متاثر ہو کر یہ انقلابی نظم بند کی۔ اور اس نظم کی روح یہی انقلابی مصرع ہے، جو ان کے سرچشمہ خودی کا لازمی جزو ہے۔ کیونکہ خودی احساس کا نام ہے، جو نظر سے اوجھل ہے۔ یہ خودی جب تعمیر و تخلیق کا جوہر دکھاتی ہے تو یہ احساس مادی اور ظاہری شکل وصورت میں وجود حاصل کرتی ہے۔ جس سے دنیا کی تخلیق کے ساتھ مظاہر اور انسانوں کی بنائی ہوئی بستیاں آباد ہوتی ہیں۔ اقبال نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے۔ اینٹ پتھروں سے دنیا نہیں بنتی جہانِ تازہ کی بنیاد افکارِ تازہ سے ہوتی ہے۔ اور فکر و عمل کو مہمیز کرتا ہے تو خارجی وجود ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا خودی جو غیر مرئی ہے وہ مرئی شاہکار کا وجود حاصل کرتی ہے۔ اس مصرع میں یہ نکتہ بھی ہے کہ یہ تعمیر و تخلیق پر مبنی ہے۔ اس لیے دنیا کی تخلیق کے لیے خالقِ کائنات نے 'کن' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اقبال نے بھی دوسرے مصرع میں 'ضمیر کن فکاں' کہا ہے۔ گویا اقبال انسان کی صفتِ تخلیق کو آواز دے رہے ہیں۔ تاکہ انسان نیابت الٰہی کا حق ادا کر سکے، جو ان کے فلسفۂ خودی کا ایک محترم موضوع ہے۔ صفاتِ الٰہیہ کی ایک بڑی خصوصیت قوت تخلیق ہے۔ اور انسانی نیابت کے لیے ضروری تھا کہ محدود پیمانے میں انسانوں کو بھی تخلیق کے لیے برسرِ پیکار رہنے کی دعوت دی جائے، قدرت نے جو مظاہر تخلیق کیے ہیں۔ انسان کا انہی پر تکیہ کر لینا محرومی ہوگی۔ جب تک وہ اپنے لیے خود نئی دنیا کی تعمیر نہ کرے۔ یہی تخلیق کا فکری پیغام ہے، جو اقبال کو مضطرب رکھتا ہے۔ اس پہلو سے اقبال کا فن ہو یا ان کا فلسفہ جذبۂ تخلیق کے امکانی سرحدوں تک پرواز کرتا ہے۔ اقبال کو لذت پیدائی سے عشق کی حد تک رغبت ہے۔ کئی جگہوں پر انہوں نے لذت یکتائی و لذت پیدائی کو پیش کیا ہے۔ جس کی آخری منزل وہ بے کراں وسعت ہے جہاں مردِ آفاقی بھی گم نہیں ہوتا بلکہ حکمراں ہوتا ہے۔

'سمانہ سکا دوعالم میں مردِ آفاقی'

ان کے علاوہ اقبال ان دنیاؤں کو پیدا کرنے کے آرزومند ہی نہیں بلکہ امادگی سے ہمیں نوازا ہے۔ جو ابھی عالم امکاں میں زیرِ وجود ہے۔ اسی مصرع کی بلاغت کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ان کے فلسفہ وفکر کی یہ روح ہے یا حاصلِ حیات۔

☆☆☆